۸ جولائی ۱۹۷۲ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹
ایڈیٹر
آل احمد سرور
اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲
قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

ہفتہ وار
ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۲۷

اداریہ

اترپردیش میں اردو کے استادوں کا تقرر

حکومت ہند اترپردیش نے اعلان کیا تھا کہ شروع جولائی سے چار ہزار استادوں کا تقرر ہوگا، اخباروں کی اطلاعات اور مراسلات سے معلوم ہوا کہ بہت سے شہروں میں جون میں انٹرویو ہوئے اور امیدواروں کی فہرستیں تیار کرکے لکھنؤ احکام کے لئے بھیجی گئیں۔ اس سلسلے میں جو بدعنوانیاں بتائی جاتی ہیں وہ حکومت کی شہرت پر ایک دھبا ہیں، اوّل تو کہا جاتا ہے کہ جگہوں کے لئے اتنی پبلسٹی نہیں ہوئی جتنی ہونی چاہئے تھی، دوسرے شروع میں عرضیوں کے داخل کرنے کے لئے کم مہلت ملی۔ بعد میں اترپردیش اردو اکیڈمی کے کارکنوں کی کوشش سے ۱۵ جون تک تاریخ بڑھائی گئی۔ اس کے بعد کہا جاتا ہے کہ بعض مقامی کلرکوں نے امیدواروں سے رشوت مانگی۔ اگر یہ الزام صحیح ہے تو اس کی پوری جانچ ہونی چاہئے اور ایسے کلرکوں کو قرار واقعی سزا دینی چاہئے۔ اس سلسلے میں یہ بھی شکایت ہے کہ اُن استادوں کو جو تربیت یافتہ ہیں مگر اردو برائے نام جانتے ہیں ترجیح دی جا رہی ہے یہ غلط بات ہے، چونکہ ان استادوں کو اردو کی تعلیم دینی ہے اس لئے اردو میں ہائی اسکول یا بی۔اے کے برابر لیاقت رکھنے والوں کو سب سے پہلے لینا چاہئے ہاں ان میں سے جو تربیت یافتہ ہیں انھیں ترجیح دینا ہر طرح مناسب ہوگا۔ مگر ایسا کسی حال میں نہیں ہونا چاہئے کہ اردو جاننے کی شرط ہی غائب ہو جائے۔ چونکہ بے روزگاری برابر بڑھ رہی ہے اس لئے امیدواروں میں بی۔اے ایم۔اے بلکہ کہا جاتا ہے کہ پی ایچ ڈی بھی ہیں، ہماری رائے میں یہ جگہیں ایم۔اے یا پی ایچ ڈی کے لئے نہیں ہیں، اگر ان کا تقرر ہو بھی گیا تو وہ لوگ بددل رہیں گے اور اپنا کام سکون اور اطمینان سے نہ کر سکیں گے، ان کا سارا وقت بہتر جگہ کی تلاش میں گزرے گا۔ اس لئے ان جگہوں کے لئے اُن امیدواروں کو لینا چاہئے جو بی۔اے تک کی ڈگری یا اس کے مساوی لیاقت رکھتے ہیں یا جامعہ اردو کے امتحانات میں کامیاب ہوئے ہیں۔ [illegible] بھی ترجیح ایسے امیدواروں کو دینا چاہئے جو ہائی اسکول یا اس کے مساوی لیاقت رکھتے ہیں اور تربیت یافتہ ہیں، مگر تربیت یافتہ کی قید نہیں ہونی چاہئے۔ شعبۂ تعلیم کے ایسے استادوں کو جنھوں نے اردو نہیں پڑھائی یا جو اردو میں کوئی سند نہیں رکھتے، اس معاملے میں کوئی ترجیح نہیں ہونی چاہئے، اس بات کا اطمینان ہونا چاہئے کہ تقرر لیاقت کی بنا پر ہو۔ چونکہ امیدواروں میں خواتین کی تعداد خاصی ہے اور خواتین ابتدائی تعلیم کے لئے خاص طور پر موزوں ہوتی ہیں، اس لئے انھیں ترجیح دی جا سکتی ہے۔

آج کل ہمارے ملک میں یہ مرض بہت بڑھ گیا ہے کہ کوئی بھی اسکیم ہو اُس پر قاعدے سے عمل نہیں ہوتا۔ کچھ لوگ اس کو ذاتی اغراض پورا کرنے یا اپنے رشتہ داروں یا دوستوں کو نوازنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس لئے حکومت کو غور اور صحیح طور پر عمل کرنے پر [illegible]

توجہ کرنی چاہئے اور کسی طرف سے ذرا سی بھی کوتاہی اس معاملے میں نظر آئے تو سختی سے باز پرس کرنی چاہئے، کوئی بھی قدم اٹھایا جائے بہرحال ضرورت ہے کہ عوام کا اعتماد مجروح نہ ہو۔ اردو کے استادوں کے تقرر کے سلسلے میں حکومت کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ تقرر میں کوئی بدعنوانی نہ ہو اور اردو کے وہ استاد زیادہ سے زیادہ تعداد میں مقرر ہوں جو اردو واقعی جانتے ہیں۔ اب اترپردیش میں صدر راج ہے۔ اس لئے اردو دوستوں کی یہ توقع بے جا نہیں ہے کہ اردو کے سلسلے میں حکومت کی پالیسی پر نیک نیتی اور خلوص سے عمل ہوگا اور دوسری سرکاری اسکیموں کی طرح یہ اسکیم بھی کچھ تنگ نظر یا مفاد پرست اشخاص کے ہاتھوں تخریب کاری (SAB OTAGE) کا شکار نہ ہوگی۔

ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں

ڈاکٹر "جافر حسن" کا انتقال

حیدرآباد:۔ ڈاکٹر "جافر حسن" سابق صدر شعبہ لسانیات جامعہ عثمانیہ کا ۱۴ر جون کو ان کے مکان میں انتقال ہوگیا۔

"ڈاکٹر جافر حسن" کو اردو ادب سے نمایاں دلچسپی رہی وہ اردو املا کو زیادہ آسان بنانے کے سلسلہ میں ایک نئے مکتب خیال کے نمائندہ تھے۔ نامہ نگار

اشوری پرشاد گہر گورکھپوری کا انتقال

ادبی حلقوں میں اس خبر سے رنج و ملال کا احساس کیا جائے گا۔ گورکھپور کے ممتاز اردو شاعر اشوری پرشاد گہر اپنی مختصر علالت کے بعد ۱۸ر جون کو صدر اسپتال میں انتقال کرگئے۔ موصوف کو شدید علالت کے بعد ان کے ہمدردوں اور دوستوں نے اسپتال میں داخل کیا تھا۔ ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق انھیں جگر کا کینسر ہوگیا تھا:

گہر مرحوم فراق گورکھپوری کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ وضع قطع فارسی داں کاستھ گھرانوں کی تھی۔ اردو کے فروغ کی ہر تحریک میں حصہ لینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ان کی موت سے قدیم رنگ کی شاعری کا ایک اور چراغ گل ہوگیا۔ مرحوم مومن سے کافی متاثر تھے۔ ان کی کئی غزلیں مومن کی غزلوں کی بحروں میں ہیں۔ مبشر علی صدیقی

ڈاکٹر ابو محمد سحر کی نئی کتاب

بھوپال:۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ڈاکٹر ابو محمد سحر کے تحقیقی مضامین نسیم بک ڈپو لکھنؤ نے "غالبیات کے چند مباحث" کے نام سے شائع کردئے ہیں یہ مضامین غالب کے کچھ الحاقی کلام اور دیوان غالب کے اہم ترین قلمی نسخوں سے متعلق ہیں جن میں سے دو قلمی نسخے بھوپال کی دریافت ہیں مصنف نے ممتاز ماہرین غالبیات کی بعض تحقیقات کا جائزہ لینے کے علاوہ نئی معلومات پیش کی ہیں۔

نامہ نگار

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

یاد برگ سبز

وزیر علی تاب
وزیر علی گلبرگوی گلبرگہ میسور اسٹیٹ
صفحات: ۵۳ قیمت: ۵۰ پیسے

یاد صد برگ

وزیر علی تاب
وزیر علی گلبرگوی گلبرگہ۔ میسور اسٹیٹ
صفحات: ۴۰ قیمت: ۵۰ پیسے

مذہب حنفی

محمد عبدالرزاق حاذق
محمد عبدالرزاق حاذق۔ محلہ مخدوم پورہ۔ شہر گلبرگہ (میسور) دکن
صفحات: ۴۸

باقیات حاذق

مرتبہ محمد عبدالباقی
ادبی مرکز ۳۸۸/۹ خونی الادہ، مومن پورہ گلبرگہ
صفحات: ۹۶ قیمت: ا روپیہ ۵۰ پیسے

گرفت نظر

ادیب یعقوب
ادبی ٹرسٹ حیدرآباد
صفحات: ۱۸۴ قیمت: ۴ روپے

عبدالمغنی

اردو شاعری میں علامتی اظہار کی روایت

یہ عنوان آج کی تنقیدی بحثوں کے لحاظ سے کتنا ہی معنی خیز ہو، اس سے ایک ایسے موضوع پر روشنی پڑتی ہے جو درحقیقت تحصیلِ حاصل ہے۔ اس لئے کہ شاعری اور علامتی اظہار ہر دور میں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم رہے ہیں۔ ایسی کسی شاعری کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جو علامتی اظہار سے خالی ہو۔ دراصل حقائق کے علامتی اظہار ہی کا دوسرا نام شاعری ہے، کچھ مزید فنی لوازم اور ہیئتی آداب کے ساتھ۔ لہٰذا اردو شاعری میں علامتی اظہار کی روایت کا سراغ لگانے کا مطلب ہوگا پوری اردو شاعری کی تاریخ پر گفتگو۔

موضوعِ بحث کی اس حقیقت سے قطعِ نظر، آخر دورِ جدید میں علامتی اظہار اور شاعری کے باہمی رشتے پر زور کیوں دیا جا رہا ہے؟ اس سوال پر موجودہ زندگی کے پس منظر میں غور کیا جائے تو یہ نکتہ سمجھ میں آئے گا کہ اس وقت فنونِ لطیفہ اور علومِ اجتماعی کے درمیان جو شدید کشمکش برپا ہے اس نے فن و ادب کی ہر شاخ کے لئے بیان و اظہار کا ایک پیچیدہ مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ لطیف ترین فن ہونے کے سبب شاعری اس صورتِ حال سے سب سے زیادہ متاثر ہے۔ جیسے جیسے شاعری پر سائنس، صنعت اور سیاست کا دباؤ بڑھتا جا رہا ہے ویسے ویسے شاعری کے اسلوبِ اظہار میں پیچیدگی بڑھتی جا رہی ہے اور سادہ بیانی کے بجائے علامتی اظہار کی ضرورت زیادہ سے زیادہ محسوس ہو رہی ہے۔ اس معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ تاریخِ انسانی کا موجودہ دور ابھی تک ارتقا کے ایک عبوری مرحلے میں ہے، جب جدید انکشافات و ترقیات پورے طور پر سماج اور اس کے ادب کا جزو نہیں بنے ہیں، چنانچہ پرانی قماش سے نئی قماش کی طرف بہاؤ میں ہنوز پیچیدگی کے عوامل کارفرما ہیں اور سادگی کی منزل نہیں آئی ہے، لہٰذا صراحت و وضاحت کے بجائے اشارے کنائے سے کام لیا جا رہا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دنیا کے ہر ادب کی طرح اردو شاعری میں بھی علامتی اظہار کی پیچیدگی اور صراحتِ بیانی کی سادگی کی رو اکثر کبھی ایک دوسرے کے ساتھ منضم ہو کر اور کبھی الگ الگ ایک دوسرے کے بعد چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اس نقطۂ نظر سے اگر ہم اردو شاعری کو متقدمین، متوسطین اور متاخرین کے تین ادوار میں تقسیم کریں تو معلوم ہوگا کہ قدیم عہد یعنی خسرو سے میر تک صاف بیانی کا میلان غالب ہے، اس لئے کہ ہر دور کے سماج کے مسائل اس کے ادب میں جذب ہو کر حل ہو چکے تھے اور اسلوبِ بیان پر کوئی غیر معمولی دباؤ نہیں تھا، لیکن غالب سے اقبال تک ایک ابھرتے ہوئے نئے سماج کے مسائل کی کشمکش ہیئتِ شاعری کے ساتھ واضح طور پر نظر آتی ہے، چنانچہ اس کشمکش کا عکس اسلوبِ اظہار کی علامتی و استعاراتی کیفیت میں دکھائی پڑتا ہے۔ اس کے بعد جس آخری دور سے ہمیں سابقہ درپیش ہے اس میں دراصل یہ سادگی ہی کی شدید خواہش اور پُرزور کوشش ہے جو ایک قدرتی ردِعمل کے طور پر انتہائی پیچیدگی پیدا کر رہی ہے اور اسی حالت میں علامتی اظہار کی دہائی ہر طرف دی جا رہی ہے۔ اس عبوری صورت میں رمز و ایما اور استعارہ و کنایہ کے چند در چند اسالیب کی بھرمار ہو رہی ہے۔ علامتی اظہار کے مبالغے ہی نے دورِ جدید میں اشاریت نام کی ایک تحریک سی کھڑی کر دی ہے۔

عالمی ادب کے پس منظر میں سادگی و پیچیدگی کے ان متقابل رجحانات کو کلاسیکیت و رومانیت سے تعبیر کیا جائے تو حقیقتِ حال واضح ہو جائے گی۔ انگریزی ادب میں مثال کے طور پر چاسر کے بعد شیکسپیئر، پھر ڈرائیڈن، تب کولرج اور پھر ایلیٹ نظر آتے ہیں۔ اس ترتیب میں آخری فن کار کی ہیئتِ بیان کی استعاراتی پیچیدگی دراصل اس کی انتہائی کوششِ سادگی ہی کا ایک نتیجہ بلکہ مرحلہ ہے، جیسا کہ اب اردو شاعری میں ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

بہرحال، اردو شاعری میں علامتی اظہار کی روایت صرف رومانیت بمقابلہ کلاسیکیت سے بالکل اس طرح وابستہ نہیں ہے جس طرح مغربی ادبیات مثلاً انگریزی میں سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ اردو شاعری نے جو اپنے اسالیبِ بیان کی بنا فارسی شاعری پر رکھی ہے اور دونوں مشرقی شاعری ہی کی نمائندہ ہیں تو یہ دلچسپ بات جان لینی چاہئے کہ مغربی ادبیات کی شاعری میں رومانیت کی تحریک جرمن زبان کے ذریعے فارسی شاعری کے زیرِ اثر ابھری اور اسی واقعے سے متعلق دوسری بات یہ ہے کہ ماضی میں مغربی ادبا و ناقدین مشرقی شاعری پر بھی اس کی رومانی و علامتی رنگینی ہی کے سبب منہ آتے رہے ہیں جب کہ ان کے یہاں دورِ حاضر کی سب سے نتیجہ خیز شعری تحریک، اشاریت، رومانیت ہی کے بطن سے پیدا ہوئی، حالانکہ مشرقی ادبیات نے تحریک اور مکتب کے تکلف میں پڑے بغیر صرف شاعری کے فطری طریقِ اظہار کو برقرار رکھا اور اسی فنی عمل سے ایک روایت بروئے عمل آئی۔

اس طرح اردو شاعری میں علامتی اظہار کی روایت کوئی انوکھی چیز نہیں، شاعری کے عام اسالیبِ بیان [illegible] اور مختلف ایک حقیقت رکھتی ہے، بلکہ یہ عام اسلوبِ شاعری کی وسیع ترین روایت ہی کا ایک جز [illegible]

علامتی اظہار اردو شاعری کے ہر دور میں دستیاب ہوتا ہے۔

میرؔ نے کہا:-

کہا میں نے کتنا ہے گُل کا ثبات
کلی نے یہ سُن کر تبسم کیا

غالبؔ نے فرمایا:-

پرتوِ خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
ہم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

اقبالؔ کا ارشاد ہے:-

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی

فیضؔ بیان کرتے ہیں:-

تم آئے ہو نہ شبِ انتظار گزری ہے
تلاش میں ہے سحر بار بار گزری ہے

مختلف ادوار کے نمائندہ ان اشعار کے درمیان آہنگ اور لہجے کا فرق جو بھی ہو لیکن استعارہ و علامت کا رنگ جو سبھی میں مشترک ہے۔ اسلوبِ اظہار کا یہ تسلسل درحقیقت شعری روایت کا فنی تسلسل ہے اور اس سے شاعری کے متوازن ارتقا کا اندازہ ملتا ہے۔ یہ تسلسل اور توازن اردو شاعری کا بہترین سرمایہ ہے۔ اسی سے وہ روایت بنتی ہے جس کی مطابقت ہی میں کوئی انفرادی تجربہ معتبر ہو سکتا ہے۔ بحر و اوزان کے نغمہ موسیقی کے ساتھ ساتھ تشبیہ و استعارہ اور تلمیح و کنایہ کے اشارات اردو شاعری کے تار و پود ہیں جن کے بغیر کسی بھی صنفِ سخن کا کوئی ہیولا نہیں بنتا لیکن ان فطری نقوشِ کلام کے لئے کسی تحریک اور اس کی اصطلاحات کے تصنع کی کوئی ضرورت نہیں۔ اقبالؔ نے بالکل درست کہا ہے ؎

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسنِ معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

اردو شاعری کی فطری ایمائیت کا ایک نہایت اہم نشان تغزل کی روایت ہے۔ بعض ناقدین نے اردو میں تغزل کی فراوانی پر مخالفانہ تبصرے کئے ہیں۔ یہ تو ایک تاریخی واقعہ ہے کہ اردو شاعری میں غزل اور نظم کی تفریق اگر دو متوازی اور متناقض دھاراؤں کی حیثیت سے کی جائے تو غزل کا غلبہ نظر آئے گا اور غزل ہی علامتی طرزِ اظہار کی سب سے بڑی امانت دار ہے۔ تغزل میں تشبیہ و استعارہ کے معمولی اور عمومی وسائلِ شعری سے بہت آگے بڑھ کر کنایہ اور تلمیح کے رمز و ایما کا استعمال بڑی کثرت و شدت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ غزل میں شاعری کی دو دو لیں بھی اپنے عروج پر ہوتی ہے جس کے موثر اظہار کے لئے لطیف ترین اشاریت سے کام لینا ضروری ہوتا ہے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ تغزل کی فنی روایات نے پوری اردو شاعری کو حُسنِ بیان کا یہ سرمایہ عطا کیا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ اردو شاعری کی تمام صنفیں غزل زدہ ہیں۔ اردو نظم کی مختلف ہیئتوں کا جو کچھ ارتقا اب تک ہو چکا ہے وہ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اردو شاعری صرف غزل نہیں ہے اور علامتی اظہار نہ تو بجائے خود مقصود ہے اور نہ واحد طرزِ بیان ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ تغزل کی گہری اور وسیع الاثر اشاریت نے اردو شاعری کی تمام اصناف پر اثر انداز ہو کر فن کے فنی وسائل کی لطافتوں کو بہت بڑھا دیا ہے۔

(آل انڈیا ریڈیو پٹنہ سے نشر)

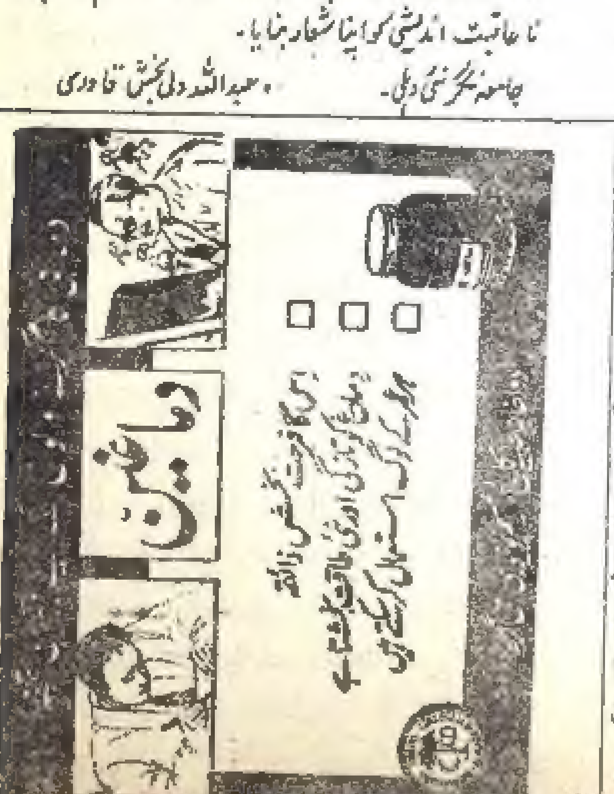
(صفحہ ۸ سے آگے)

نہیں ہوا تو اردو کو جلد اپنا جائز مقام حاصل ہو سکے گا بہر حال ابتدائی اور ثانوی منزلوں پر ہی اردو کی بحالی کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ایک اردو یونیورسٹی جلد از جلد وجود میں آ جائے۔

ابتدائی اور ثانوی مدارس کی حالتِ زار کی طرف توجہ ضروری ہے۔ بلاشبہ اس پوری عمارت کی خشتِ اوّل یہی ہیں لیکن اس خشتِ اوّل کو جمانے کے لئے جس سمنٹ کی ضرورت ہے اور جو معمار درکار ہیں ان کا بھی انتظام کچھ کم ضروری نہیں ہے۔

اردو یونیورسٹی کے قیام کا خواب دیکھنے والوں کا یہ حوصلہ ہے کہ وہ اس طرح مدارس میں اردو کی تعلیم کی بقا اور توسیع کے ضامن ہوں گے اور موجودہ اور آئندہ نسلوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیں گے کہ ناسازگاری حالات نے انھیں اتنا کم ہمت بنا دیا تھا کہ وہ حق کی تلاش بھی نہ کر سکے اور انھوں نے ذہنی کاہلی اور ناعاقبت اندیشی کو اپنا شعار بنایا۔

جامعہ نگر نئی دہلی۔ • عبداللہ ولی بخش قادری



انجمن ترقی اردو دہلی کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۷۲ء

۲۲ر اپریل ۱۹۷۲ء ایوانِ غالب میں میٹرو پولیٹن کونسل کے نمائندوں کو استقبالیہ دیا گیا۔ چیف ایگزیکٹیو کونسلر شری رادھا رمن اور چیئرمین میٹرو پولیٹن کونسل میر مشتاق صاحب نے انجمن کو سالانہ گرانٹ بر وقت دینے کا اور نصاب کی کتابوں کی تیاری کا وعدہ کیا۔ میر صاحب نے مشورہ دیا کہ انجمن کے ساتھ اور لوگوں کو بھی جنھیں اردو کے مسائل سے دلچسپی ہے شامل کر کے تبادلۂ خیال کیا جائے اور ان تجاویز کو آپ ہمارے پاس بھیجئے تاکہ کوئی ٹھوس قدم اٹھایا جائے۔ شری رادھا رمن نے کہا کہ آپ دلی میں اردو کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے انجمن کے ساتھ تعاون کریں اور ۱۹۶۶ء کے سہ لسانی فارمولے کو یہاں نافذ کیا جائے۔

۸ر مئی کو ایک میٹنگ ہوئی۔ اس میں دلی میں اردو اور اردو تعلیمی مسائل کے بارے میں غور کیا گیا۔ متفقہ طور پر یہ تجویز منظور کی گئی کہ دلی ایڈمنسٹریشن کو یہ مطالبہ نامہ بھیجا جائے کہ وہ اپنے سب کاموں میں ہندی کے ساتھ اردو کو بھی دوسرے درجے پر رکھیں اور ایڈمنسٹریشن اور کارپوریشن کے اسکولوں میں کم سے کم ایک اردو ٹیچر رکھیں۔

۲۲ر جولائی کو پھر ایک میٹنگ اردو کے سلسلے میں ہوئی۔ اور فروغ اردو کمیٹی میں انجمن کی طرف سے جو کاغذات بھیجے گئے ہیں اس کی تفصیل جنرل سکریٹری نے بتائی اور کہا کہ فروغ اردو کمیٹی کے ذمہ داران کو مطلع کیا گیا کہ دلی میں لاکھوں اردو بولنے والے ہیں اردو پڑھنا چاہتے ہیں دوسری جگہوں میں ہر دس ہزار آبادی کے لئے ایک اسکول ہے یہاں کم سے کم اسی تناسب سے اردو اسکول ہونے چاہئیں۔ قمر رئیس صاحب نے تجویز پیش کی کہ اردو میڈیم کالجوں کے پرنسپل صاحبان کو لکھا جائے کہ ان کے یہاں سہ لسانی فارمولے کی کیا صورت ہے کس اسٹیج پر تینوں زبانیں پڑھائی جا رہی ہیں۔ کورس سے متعلق کتابیں جو ڈائرکٹریٹ سے منظور شدہ ہیں وہ مل رہی ہیں یا نہیں۔

۳۰ر ستمبر کو ایک ادبی نشست ہوئی۔

۲۵ر فروری کو حضرت غالب کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے مزارِ غالب پر ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کا افتتاح جناب فخر الدین علی احمد صاحب مرکزی وزیر خوراک و زراعت نے فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ غالب صدی کے موقع پر ہم نے بیرونی ملکوں کے دانشوروں کو بھی بلایا اور ایوانِ غالب کی پُرشکوہ عمارت اب بالکل تیار ہو گئی ہے اور اس سال انشاء اللہ وہ اپنے اخراجات کا بار خود اٹھانے کے قابل ہو جائے گی۔ اس کی لائبریری میں غالب اور ان کے معاصرین اور شاگردوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانے کے لئے تمام کتابیں ہوں گی۔

جلسے کی صدارت یونس سلیم صاحب نے فرمائی۔

جلسے کے آغاز میں فاتحہ خوانی، گلپاشی کی گئی اور قوالوں نے غالب کی غزلیں پیش کیں۔

مقررین میں حیات اللہ انصاری صاحب، راجندر ناتھ شیدا صاحب اور کمال احمد صدیقی صاحب شامل تھے۔ ان سب نے غالب کے فن اور شخصیت کے بارے میں بصیرت افروز تقاریر کیں۔ پھر طرحی مشاعرہ ہوا۔

بیگم سلطانہ حیات جنرل سکریٹری

(صفحہ ۲ سے آگے)

اور کہا کہ انجمن کے مقاصد کو بروئے کار لانے میں ہم انجمن کے اراکین سے زیادہ ٹھوس امداد اور تعاون کی توقع رکھتے ہیں۔ جنرل سکریٹری ڈاکٹر قمر رئیس نے مجلس استقبالیہ کے صدر، کنوینر اور دوسرے کارکنوں کے حسن انتظام کے لئے شکریہ ادا کیا اور اعلان کیا کہ بہار یونیورسٹی (مظفرپور) کے صدر شعبہ پروفیسر اختر قادری کی دعوت پر مجلس منتظمہ نے فیصلہ کیا ہے کہ انجمن کی چھٹی سالانہ کانفرنس سنہ ۷۴ء میں مظفرپور (بہار) میں منعقد ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے طے کیا ہے کہ مجوزہ کانفرنس میں نہ صرف یہ کہ ہندوستان کے اساتذہ شریک ہوں بلکہ بیرونِ ہند کی جن دانش گاہوں میں اردو کی تدریس ہو رہی ہے وہاں کے اساتذہ کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے۔ ڈاکٹر محمد حسن (صدر) نے مختلف اجلاسوں کے مباحث کا جائزہ لیا اور بحث کے اعلیٰ سنجیدہ معیار اور خوشگوار ماحول کے لئے مندوبین کو مبارکباد دی۔ انھوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے میں جملہ کارکنوں کا شکریہ ادا کیا۔ آخر میں مجلس استقبالیہ کے صدر جناب آر پی ناتھ وائس چانسلر نے بڑی شستہ اردو میں اجلاس کو خطاب کیا اور اورنگ آباد کی دستکاری کا ایک ایک نمونہ تمام مندوبین کو بطور یادگار پیش کیا۔

کانفرنس کے دوران مندوبین کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچانے اور اساتذہ اردو کے اس اجتماع کو کامیاب بنانے میں ڈاکٹر رفیق ذکریا، وائس چانسلر جناب آر پی ناتھ، ممبر پارلیمنٹ جناب سکندر علی وجد اور مقامی اردو ادیبوں نے بھی خاص دلچسپی لی۔ ان ادیبوں میں بشر نواز، قاضی سلیم، جوگندر پال، عتیق اللہ صدیقی، عصمت جاوید اور ڈاکٹر شمیم احمد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انجمن اشاعت تعلیم، آزاد میموریل کالج، آزاد میموریل اسکول اور نگر پریشد کی طرف سے تمام مندوبین کو عصرانے بھی دئے گئے اور نگر پریشد کے تاریخی ہال میں ایک مشاعرہ بھی منعقد ہوا۔ مندوبین کے لئے اجنتا اور ایلورا کی سیاحت کا بھی معقول انتظام تھا۔

قمر رئیس۔ جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اردو و جامعات ہند کی پانچویں کانفرنس کی روداد

(گذشتہ سے پیوستہ)

ڈاکٹر محمد حسن نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا یہ صحیح ہے کہ ہم اپنے طلباء ایم اے اور بی اے کی سطح پر کوئی معیاری اور جامع نصاب پیش نہیں کر سکے اور یہ کام بے حد خاصا مشکل ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے ایم اے کے لئے ایک معیاری نصاب کا خاکہ پیش کیا اور اعلیٰ تعلیمی کمیٹی کے کنوینر پروفیسر آل احمد سرور نے یونیورسٹیوں کے نصاب کے سلسلہ میں جو تجاویز پیش کی تھیں ان کی روشنی میں اس خاکہ پر بحث ہوئی تھی یہ اجلاس بھی نصاب کے معاملہ میں کسی ٹھوس نتیجہ تک نہیں پہنچ سکا آگے چل کر وارث علوی (احمد آباد) نے بحث میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ میری دانست میں عصری ادب کو نصاب میں شامل کرنا ضروری نہیں ہے میں ان شاعروں اور ادیبوں کا سخت مخالف ہوں جو اپنے کو داخل نصاب کرانا چاہتے ہیں نصاب میں ایسی ہی تخلیقات شامل ہوں جن کی ایک روایت بن چکی ہو اور جن کے بارے میں کتابیں موجود ہوں ڈاکٹر تنویر احمد علوی (جامعہ ملیہ) نے کہا کہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ یونیورسٹیوں میں جدید ادب شامل نصاب نہیں اکثر یونیورسٹیوں میں فراق، فیض، اختر الایمان، قرۃالعین حیدر اور بیدی وغیرہ شامل نصاب ہیں رہا جدید تر شاعروں اور ادیبوں کا معاملہ تو وہ روایت بننے یا بنانے میں نہیں صرف توڑنے میں اعتقاد رکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا اسی لئے ان کو پڑھانا مشکل ہے۔

اس اجلاس میں معیاری نصاب اور عصری ادب کو شامل نصاب کرنے کی بحث بہت مفید اور دلچسپ رہی اور مختلف پہلو سامنے آئے۔ بحث میں اسلم آلی (میسور) ابوالفیض عثمانی (ٹونک) ساجدہ زیدی (علی گڑھ) سمیع الحق (رانچی)، فاروق احمد عادل جعفری (اندور) حلیق افتخار، احمد جلیس، سید احمد حسن (بھاگلپور) ڈاکٹر شارب ردولوی، ڈاکٹر شمیم احمد، حسرت سہروردی اور تسنیم قریشی نے حصہ لیا آخر میں پریزیڈیم کے رکن پروفیسر اختر قادری نے کہا کہ ہر یونیورسٹی میں نصاب کی تدوین اور پرچوں کی تقسیم کچھ خاص اصولوں کے تحت ہوتی ہے اور ان کا اطلاق اردو ہی نہیں دوسری زبانوں اور دوسرے مضامین پر بھی ہوتا ہے ہم پر ان کی پابندی لازمی ہے اس لئے عصری ادب کو نصاب میں نمایاں جگہ دینے کی بحث فضول ہے ہاں اگر استاد تاریخ ادب یا کسی دوسرے پرچہ کے تحت طلبہ کو ادب کے جدید رجحانات سے روشناس نہیں کراتا تو یہ اس کی کوتاہی ہے انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر محمد حسن کے مجوزہ نصاب میں صرف ساتواں پرچہ کچھ نیا ہے لیکن یہ سوچنا ہوگا کہ خطاطی، صحافت یا تشریحاتی تحریریں کیا ادب کا جز ہیں۔ کیونکہ ایم اے اردو ادبیات کا کورس ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ روزگار کے مسئلے کو کیا ادبیات کی تعلیم سے جوڑنا مناسب ہوگا الغرض نصاب کی تدوین میں ہمیں بہت سے سوال کو سامنے رکھنا ہوگا۔

کنوینر کے شکریہ کے ساتھ یہ اجلاس ختم ہوا۔

چوتھا اجلاس دن کے ڈھائی بجے شروع ہوا اس کا موضوع تاریخ ادب اور اس کی تدوین کے مسائل تھا اس اجلاس کا پریزیڈیم پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد عتیق اور پروفیسر ہاشم علی پر مشتمل تھا آغاز پروفیسر فاروقی کے خطبہ سے ہوا انھوں نے اردو کی اہم ادبی تاریخوں کا جائزہ لیا اور ان کے نقائص کی نشان دہی کی۔ علی گڑھ تاریخ ادب کے بارے میں انھوں نے کہا کہ وہ بھی مختلف حضرات کے لکھے ہوئے مضامین کا مجموعہ بن گئی ہے پروفیسر فاروقی نے اس پر زور دیا کہ اردو ادب کی کوئی تاریخ اس وقت تک نہیں لکھی جا سکتی جب تک کہ مختلف یونیورسٹیوں میں ایک منصوبہ کے تحت ہر دور کی ادبی شخصیتوں ان کے کارناموں ذہنی تحریکوں اور رجحانات پر بنیادی تحقیقی کام مکمل نہ ہو جائے اس کے بعد اس تمام مواد اور حقائق کی درجہ بندی ترتیب اور تشریح کا مرحلہ ہوگا ان دشوار لیکن ناگزیر مراحل سے گزرے بغیر اردو ادب کی مستند تاریخ کا تصور ممکن نہیں ڈاکٹر سید محمد حسنین (گیا) نے اپنے مقالے میں تاریخ ادب کے مقاصد سے بحث کرتے ہوئے اردو ادب کی نمائندہ تاریخوں کا جائزہ لیا اور کہا کہ ہمارے اکثر تذکروں اور تاریخوں میں نثری ادب کے مقابلہ میں شاعری کو نمایاں اہمیت دی گئی ہے انھوں نے کہا کہ تاریخ ادب کی تدوین میں تحقیق اور تنقید دونوں کی بیک وقت ضرورت ہے وہ افراد کے قامت اور افکار کی قیمت دونوں کا اندازہ کرتی ہے انھوں نے کہا کہ اردو میں ادب اور ادبی اصناف کی تاریخوں کا جو ذخیرہ ہے اس میں کمزوریاں ہیں لیکن وہ قابل اعتنا نہیں۔

ڈاکٹر منشاء الرحمان خاں منشا (ناگپور) نے ’’اردو ادب کی ایک گمشدہ کڑی میر نظام الدین ممنون‘‘ کے عنوان سے مقالہ پڑھا اور کہا کہ اردو ادب کی تاریخ میں ممنون کو وہ مقام نہیں مل سکا ہے جس کے وہ مستحق ہیں۔ شیخ فرید (جبل پور) نے اپنے مقالہ میں نویں صدی ہجری کے صوفی بزرگ شاہ باجن اور ان کے اردو اشعار کا تعارف کرایا انھوں نے کہا کہ شاہ باجن کی قلمی یادگار ’’خزائن رحمت‘‘ کی تاریخی اور لسانی اہمیت مسلم ہے یہ اردو کے قدیم ترین اشعار کا مستند نمونہ ہے ڈاکٹر عبدالواسع (مظفر پور) نے بہار میں اردو سوانح نگاری کے ارتقا پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ ’’دو سے زائد سوانح عمریاں لکھی جا چکی ہیں جن میں سید سلیمان ندوی عبدالغفور شہباز اور شاد عظیم آبادی کے کارنامے خاص اہمیت

کے حامل ہیں ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے اردو ادب کی اہم تاریخوں اور رجحانات کا جائزہ لیا اور بعض تجاویز پیش کیں سید مسیح الدین (کٹک) نے اپنے مقالہ میں اڑیسہ میں اردو زبان کے چلن کا ذکر کیا اور اس علاقہ کے اردو ادیبوں اشاعت گھروں اور کتب خانوں کا تعارف کرایا۔

مقالوں کے بعد سب سے پہلے جناب سکندر علی وجد کو جو کانفرنس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے اظہار خیال کی دعوت دی گئی انھوں نے اردو زبان اور ادب کے نشو و نما میں اپنے وطن اورنگ آباد کی تاریخی اہمیت کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے اپنے طالب علمی کے دور میں یہاں مولوی عبد الحق، مولانا عبد السلام، طباطبائی اور ڈاکٹر عابد حسین جیسے اکابرین سے استفادہ کا شرف حاصل رہا ہے انھوں نے بعض مقالوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مقالہ نگار صاحبان نے نمونوں کے جو اشعار نمونے کے طور پیش کئے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ میں انھیں جو مقام دیا گیا ہے وہ اس کے مستحق تھے زمانہ کسی کو بھی نہیں بھلا دیتا۔ ڈاکٹر محمد حسن نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ جو مقالے پڑھے گئے وہ یا تو جائزہ ہیں یا تحقیقی دریافت اور دونوں کی اہمیت مسلم ہے اردو زبان و ادب کا نشو و نما ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف لسانی اور تہذیبی عوامل کے زیر اثر ہوا ہے اس لئے ان علاقوں میں زبان و ادب کے ارتقا کے بارے میں وہاں کے عالم اور اساتذہ زیادہ وثوق سے لکھ سکتے ہیں اس طرح ایک مستند تاریخ ادب کی تدوین میں انجمن اساتذہ اردو بھی مدد کر سکتی ہے چھ بجے شام کو یہ اجلاس ختم ہوا۔

۱۴ر جون کی صبح کو نو بجے آخری اجلاس شروع ہوا۔ اس کے پہلے حصہ میں بعض ریاستوں سے آئے ہوئے مندوبین نے اردو زبان و ادب کی تدریس و تعلیم کے بارے میں بعض حقائق اور مسائل پر اظہار خیال کیا پروفیسر حسرت سہروردی (مدراس) نے اس پر زور دیا کہ اردو ایک ہندوستان گیر زبان ہے ضرورت اس کی ہے کہ اردو کی جو جامع اور حتمی تاریخ مرتب کی جائے اس میں تمام ریاستوں میں اردو زبان و ادب کا جو ارتقا ہوا ہے اس کی مناسب نمائندگی ہو اس کے لئے تمام ریاستوں میں مواد کی فراہمی اور تحقیق کے لئے کمیٹیاں بنائی جائیں اور یہ کام یو جی سی اور انجمن ترقی اردو کی امداد سے ہو سکتا ہے انھوں نے اردو کے شعبوں کو فارسی اور عربی سے الگ کرنے اور ایک جدید معیاری نصاب کی تیاری پر بھی اصرار کیا۔

ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی نے راجستھان میں اردو زبان و ادب کی صورت حال کا جائزہ لیا انھوں نے بتایا کہ راجستھان کے پرائمری اور سوا ہائر سکنڈری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کا انتظام ہے دو یونیورسٹیوں میں بھی بی اے کی سطح تک اردو کی تدریس ہوتی ہے اور حکومت نے جلد ہی ایم اے کے کلاس کھولنے کا بھی وعدہ کیا ہے۔ آل احمد انجم (گیا) نے کہا کہ بہار میں اردو کی اعلیٰ تعلیم میں توسیع ہوئی ہے چھ سال قبل صرف پٹنہ یونیورسٹی میں اردو کا شعبہ تھا آج بہار میں سے چار یونیورسٹیوں میں ایم اے کی تعلیم ہوتی ہے اس دوران تین تحقیقی مقالوں پر پی ایچ ڈی کی ڈگری دی گئی ہے ڈاکٹر عبد الستار دلوی نے مہاراشٹر اور بمبئی میں اردو کے فروغ کا ذکر کیا انھوں نے کہا کہ صرف بمبئی میں اردو میڈیم کے ایک ہزار پرائمری اسکول، دس سکنڈری اسکول اور مختلف اوقات کے کئی شفٹ چلنے والے اسکول ہیں اورنگ آباد شہر میں ایک سو پچیس پرائمری اسکول اور تیرہ اردو میڈیم ہائر سکنڈری اسکول ہیں۔

اجلاس کے دوسرے حصہ میں مختلف تجاویز پر غور کیا گیا جن میں سے بعض اہم تجاویز کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اساتذہ اردو کا یہ اجلاس حکومت اور مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اردو کو یوپی، بہار، دہلی، مدھیہ پردیش، راجستھان، آندھرا پردیش اور دوسرے قابل لحاظ اردو آبادی والے علاقوں میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے اردو کے بارے میں بہار اور یوپی کے مطالبہ ہے۔

۲۔ پرائمری ثانوی اور اعلیٰ سطح پر اردو کی تعلیم کے بارے میں ریاستی حکومت کی پالیسی پر ترداد و اقعی عمل درآمد کے لئے ہر ریاست میں ایک IMPLEMENTATION URDU BOARD قائم کیا جائے جس کا سربراہ ڈائرکٹر کے مرتبہ کا کوئی عہدہ دار ہو۔

۳۔ اردو درسی کتب کی کمیابی کی وجہ سے ہر ریاست میں اردو طلبہ اور اساتذہ کو جن پریشانیوں کا سامنا ہے اس کے پیش نظر اساتذہ اردو کا یہ اجلاس ترقی اردو بیورو اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اردو کی درسی کتب کی اشاعت اور فراہمی کے کام کو ترجیحی اہمیت دے۔

۴۔ جن دانش گاہوں میں آج بھی اردو فارسی اور عربی کے شعبے مشترک ہیں وہاں جلد سے جلد اردو کے شعبوں کو الگ کیا جائے۔

۵۔ یہ اجلاس مہاراشٹر کی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مرہٹواڑہ یونیورسٹی ناگپور اور پونا کی یونیورسٹیوں میں اردو کے علیحدہ اور باقاعدہ شعبے قائم کرے۔

۶۔ ایک تجویز کے ذریعہ ڈاکٹر محمد حسن صدر انجمن کو نہرو فیلوشپ تفویض ہونے پر مبارکباد دی گئی۔

آخر میں انجمن کے عہدہ داروں نے اظہار خیال کیا۔ آنرری سکریٹری ڈاکٹر مختار الدین احمد نے انجمن کے انتظامی امور اور اس سلسلہ میں پیدا ہونے والی بعض دشواریوں کا ذکر کیا

(باقی صفحہ [illegible] پر)

مراسلات

ایک استفسار

اس کتاب کا نام کیا ہے اور اس کا مصنف کون ہے ؟

ایک فارسی کتاب کا مطبوعہ نسخہ لکھنؤ یونیورسٹی کی ٹیگور لائبریری میں ہے۔ جس کے بہت سے ورق غائب ہیں جو ورق موجود ہیں وہ بے ترتیب ہیں۔ کتاب مصنف اور مطبع وغیرہ کے نام معلوم نہیں۔ کتاب خاندان مغلیہ کے آخری زمانے کی تاریخ ہند معلوم ہوتی ہے۔ مصنف سلطنت دہلی کے حالات سے بخوبی واقف ہے۔ دربار اودھ سے بھی توسل رکھتا ہے اور نظام دکن کے قلمرو میں بھی اس کی آمد و رفت ہے۔ اس نے بہت سے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جو اس کے چشم دید تھے اور جن میں وہ بذات خود شریک تھا۔

مصنف کے بیان سے اس کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے والد کا نام سید ابو القاسم تھا۔ ۱۸۶۱ء عہدہ داران ہیسٹنگز نے بہرام جنگ کو صوبہ بنگال کی فوجداری اور ابو القاسم خاں کو نیابت فوجداری، مصنف کے چچا زاد بھائی محمد علی خاں منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں کے داماد تھے۔ امجد علی شاہ کی ولیعہدی کے زمانے میں وہ بارگاہ ولیعہدی میں حسب طلب حاضر ہوا کرتا تھا۔ اس کی امین الدولہ امداد حسین خاں سے بے تکلفی کی ملاقات تھی۔ مصنف کے دو بھائیوں کی شادی مشہور شاعر نواب سید محمد خاں رند کی سوتیلی بہنوں کے ساتھ ہوئی۔

واجد علی شاہ کے حال میں لکھا ہے کہ مجھ کو وقائع نویسی کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ اور فن تہذیب اخلاق اور علم صحبت میں ایک کتاب لکھنے پر مامور فرمایا۔ اس کتاب "تاج فراست" کا جو کوئی مطالعہ کرے گا وہ اس سلطان با اقبال کے مراتب فضل و کمال کو سمجھ سکے گا۔

لکھنؤ۔ • سید مسعود حسن رضوی ادیب

اردو یونیورسٹی

اس زمانے میں اردو یونیورسٹی کی آواز مختلف حلقوں سے اٹھائی جا رہی ہے۔ اسے بعض سیاست دانوں نے بھی سراہا ہے اور بہت سے اردو کے شیدائیوں نے بھی۔ اب ہمارے کچھ دانشور اس معاملے میں اپنے شکوک اور اندیشہ ہائے دور و دراز کا اظہار کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اردو یونیورسٹی کے فارغ التحصیل جنس بازار نہ بن سکیں گے اور زمانے کی ناقدری کا شکار رہیں گے۔ لہٰذا اردو یونیورسٹی کا خیال ترک کر دینا چاہئے اور صرف اردو کی ابتدائی تعلیم کی طرف ساری توجہ مرکوز رکھنی چاہئے اور جب تک اردو کو مدارس میں خاطر خواہ جگہ نہ مل جائے اردو یونیورسٹی کا خیال قطعی ذہن میں نہیں لانا چاہئے بلکہ اس کے لئے سوچنا اور جد و جہد کرنا موجودہ اور آئندہ نسلوں کو تباہ کرنے کا بیڑہ اٹھانے کے مترادف ہے۔ اس خیال میں کئی خامیاں نظر آتی ہیں۔

اردو کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا اردو یونیورسٹی کے قیام سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی کام ممکن ہے یا جب تک مدارس کی تعلیم کا خاطر خواہ اہتمام نہ ہو جائے اردو یونیورسٹی کا قیام عمل میں لانا نہیں چاہئے۔ ابتدائی تعلیم کی منزل پر اردو کا انتظام نہایت ضروری ہے جب تک ایسا نہیں ہوتا ہے اردو کی حالت برابر نازک رہے گی لیکن اردو یونیورسٹی کے قیام سے اس نازک حالت کو بھی مزید خرابی سے بچایا جا سکے گا اور آئندہ تدریج و ترقی کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔ اردو یونیورسٹی کے قیام سے وہ اساتذہ فراہم ہو سکیں گے جن سے آئندہ ابتدائی اور ثانوی مدارس میں اردو کا چراغ روشن ہو سکے گا۔ اردو یونیورسٹی کے قیام سے ایسا مرکز حاصل ہو سکے گا جہاں سے علمی اور ادبی کتابوں کی تصنیف و تالیف ممکن ہوگی۔ اردو یونیورسٹی کے قیام سے اردو کے خدمت گاروں کو ہی مدد ملے گی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ جب ابتدائی اور ثانوی منازل پر اردو کی تعلیم کا ذکر کیا جاتا ہے تو صرف ایک زبان کی تعلیم تو مراد نہیں ہے بلکہ اردو بحیثیت ذریعہ تعلیم بھی مراد ہے۔ اب اگر یہ بات صحیح ہے تو کیا مدرسے کی سطح پر درس و تدریس کا کام کرنے والے بھی اتنا ہی مبلغ علم رکھیں گے؟ اور کیا چند درسی کتب ہی اس ضرورت کے لئے کافی ہوں گی؟ ان اساتذہ کی تیاری اور ان کے ذہن کی آبیاری کیسے ممکن ہوگی؟ اردو کی علمی سطح کو کیسے بلند کیا جا سکے گا؟ کیا یہ سب محض ابتدائی اور ثانوی منزلوں پر اردو کی تعلیم کے مواقع فراہم کرنے سے ممکن ہے؟ کیا خود یہ محدود مقصد بھی ہماری کم نگاہی سے فوت ہو کر نہیں رہ جائے گا؟

اردو یونیورسٹی کے قیام کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ سارے دیس کے تمام اردو دوست بالعموم اور مسلمان بالخصوص اردو کے ذریعہ ہی اعلیٰ تعلیم پائیں گے اور کیونکہ اردو سکہ رائج الوقت نہیں ہے لہٰذا وہ سب عضو معطل ہو کر رہ جائیں گے۔ اردو یونیورسٹی دراصل اردو کے شیدائیوں اور خدمت گزاروں کی تربیت کا مرکز بنے گی جن کی بدولت ابتدائی اور ثانوی منازل پر اردو کی تعلیم کی اساس مستحکم ہو سکے گی۔

یوں تو یہ توقع رکھنی چاہئے کہ دیس کی دوسری زبانوں کی طرح اردو کے ذریعے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے بھی اپنے جوہر دکھا سکیں گے اور انھیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ وہ ہندی اور انگریزی کی بھی معقول استعداد رکھتے ہوں گے اور اگر لسانی عصبیت کو فروغ حاصل

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو راجستھان کی مجلس عاملہ کا انتخاب

انجمن ترقی اردو راجستھان کی مجلس عاملہ کے لئے ۳۱ ممبران کا انتخاب ۱۷ر جون ۷۳ء کو ہوا۔ ۱۸ر اور ۱۹ر جون کو ووٹوں کی گنتی کی گئی۔ مذکورہ انتخاب میں ۲۷۲ ممبران کو ووٹ دینے کا حق تھا جن میں سے ۲۰۴ ممبران نے اپنے اس حق کا استعمال کیا۔ اس طرح تقریباً ۷۵ فیصدی ووٹ ڈالے گئے کثرت رائے کے ذریعہ ۳۱ ممبران کو مجلس عاملہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ منتخب ممبران کے اسمائے گرامی بہ ترتیب کثرت رائے حسب ذیل ہیں۔

(۱) احتشام الدین عثمانی۔ (۲) تعلیم الدین تجلی عثمانی۔
(۳) احمد علی۔ (۴) غفار علی علوی ایم۔ ایل۔ اے
(۵) ڈاکٹر سردار رام سنگھ (۶) ڈاکٹر محمد حبیب۔
(۷) ڈاکٹر اوتار سنگھ (۸) سیٹھ رضی الرحمٰن۔
(۹) ڈاکٹر ابوالفیض عثمانی۔ (۱۰) ماسٹر اللہ دین۔
(۱۱) کرشن کمار دویدی (۱۲) بابو عبدالرؤف
(۱۳) حکیم عبدالسلام (۱۴) سید مظاہر حسین قاسمی۔
(۱۵) ماسٹر عبدالسلام (۱۶) ماسٹر غلام قادر خاں
(۱۷) ماسٹر نظام الدین (۱۸) محمد سراج الحق
(۱۹) معین الدین نقوی (۲۰) دیوراج گاندھی
(۲۱) انیس احمد خاں (۲۲) ظہیر احمد برکاتی
(۲۳) محمد ایوب خاں قمر۔ (۲۴) صادق علی زیدی
(۲۵) صاحبزادہ خلیل احمد خاں (۲۶) منشی عبدالواسع
(۲۷) سید محمود حسین (۲۸) سید اطہر علی
(۲۹) حاکم شیر خاں (۳۰) عبدالجبار کامل
(۳۱) منشی عبدالکریم۔

• جنرل سکریٹری

حکومت پنجاب کی قائم کردہ اردو کمیٹی کے فیصلے

چنڈی گڑھ: پنجاب سرکار کی طرف سے قائم کردہ اردو کمیٹی کی پہلی میٹنگ یہاں سول سکریٹریٹ میں کمیٹی ہذا کے چیرمین اور پنجاب کے وزیر تعلیم سردار امراؤ سنگھ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ تمام سرکاری اور غیر سرکاری ممبران کمیٹی حاضر تھے۔ ارا کین انجمن ترقی اردو نیز دیگر ممبران کمیٹی کی طرف سے کچھ اہم تجاویز پیش کی گئیں۔ ان تجاویز پر گہرے اور سیر حاصل غور و خوض کے بعد اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے۔

۱۔ محکمہ السنہ (بھاشا وبھاگ) پنجاب میں اردو کا ایک سیل قائم کیا جائے۔

۲۔ اردو اہل قلم کی ضروری امداد و اعانت کی جائے۔

۳۔ اردو ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو اعزازات دئے جائیں۔

۴۔ اردو کتب پر انعامات دئے جائیں۔

۵۔ محکمہ تعلقات عامہ پنجاب میں بھی اردو سیل قائم کیا جائے اور محکمہ ہذا میں حسب ضرورت اردو داں عملہ ملازم رکھا جائے۔

۶۔ اردو کا ادبی ماہنامہ (پاسبان) دوبارہ جاری کیا جائے۔

۷۔ محکمہ تعلیمات کے تحت شبانہ اردو مراکز قائم کئے جائیں۔

۸۔ اسکول ایجوکیشن بورڈ کے نصاب میں اردو تدریس کی گنجائش رکھی جائے۔

۹۔ یونیورسٹیوں میں اردو کے "کارسپونڈنٹ سارٹیفکیٹ کورسز" جاری کئے جائیں۔

۱۰۔ کالج اور پبلک لائبریریوں میں اردو کتب خریدی جائیں۔

۱۱۔ اردو کتب بھی تھوک خرید کے ذریعہ سرکار کی طرف سے لائبریریوں کو مہیا کی جائیں۔

اس جلسے میں وزیر خزانہ نے بتایا کہ پنجاب سرکار نے سال رواں کے بجٹ میں اردو کی ترقی پر صرف کرنے کے لئے پانچ لاکھ روپیہ محفوظ رکھا ہے۔ موصوف نے کمال فراخ دلی کے ساتھ یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر مزید ضرورت پڑی تو اس رقم میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

پنجابی یونیورسٹی کے وائس چانسلر صاحب اور ڈائرکٹر صاحب محکمہ تعلیم نے اکاڈمک نقطۂ نگاہ سے کئی مفید آراء اور تجاویز پیش کیں۔ ان صاحبان نے مشورہ دیا کہ اردو کے تحفظ کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔ وائس چانسلر صاحب نے اسکولوں کی سطح پر بھی نصاب میں اردو تدریس کی گنجائش رکھنے پر زور دیا۔ اور یونیورسٹیوں کی جانب سے خط و کتابت سارٹیفکیٹ اردو کورسز جاری کرنے کی تجویز پیش کی۔ ڈائرکٹر محکمہ تعلیم نے اردو تدریس کے شبانہ مراکز کی تجویز کو مفید قرار دیتے ہوئے ایسے مراکز کے قیام سے اتفاق فرمایا۔

آخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ تجربہ کے طور پر پہلے ریاست کے چار بڑے شہروں میں ایسے مراکز قائم کئے جائیں۔ اس فیصلہ کو عملی شکل دینے کے لئے ایک سب کمیٹی قائم کی گئی اور ڈی پی آئی صاحب کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ اسکیم کا مکمل اور مفصل خاکہ جلد از جلد تیار کرکے آخری فیصلہ کے لئے پیش کریں۔ تاکہ اسکیم پر فوری عمل درآمد کیا جا سکے۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ کمیٹی ہذا انجمن ترقی اردو پنجاب کی مسلسل کوششوں سے عالم وجود میں آئی ہے اور اس کمیٹی میں انجمن ترقی اردو کے نامزد کردہ ۵ ممبران شامل ہیں۔

• سورج تنویر جنرل سکریٹری

اخباروں سے تراشے

اردو کے ٹیچروں کے تقرر میں غیر جانبداری برتنے کے احکامات

لکھنؤ:- یو۔پی کی حکومت نے اضلاع کے افسروں کو ہدایت کی ہے کہ پرائمری اسکولوں کے اردو ٹیچروں کی تقرری میں سختی کے ساتھ غیر جانبداری برتیں اور انھیں لوگوں کو اردو ٹیچر مقرر کیا جائے جو اس زبان سے بخوبی واقف ہوں۔ مجلس شوریٰ کے جلسوں میں جو یو۔پی کے گورنر جناب اکبر علی خاں کی صدارت میں ہوا تھا ریاست کے پرائمری اسکولوں کے لئے تقریباً ۲ ہزار دو سو پچاس اردو ٹیچروں کی تقرری کے سوال پر غور کیا گیا تھا۔ جلسہ نے ان ٹیچروں کی تقرری میں ہونے والی مبینہ بے ضابطگیوں اور جانبداری کی شکایات پر توجہ دی۔ یہ ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ اگر کسی غیر تربیت یافتہ ٹیچر نے سکنڈ ڈویژن میں اردو کے ساتھ ہائی اسکول پاس کیا ہے یا حکومت سے تسلیم شدہ اس کے مساوی امتحان پاس کیا ہو تو اس کو اردو ٹیچر کی حیثیت سے مقرر کیا جا سکتا ہے۔ ڈپٹی ڈائرکٹر آف ایجوکیشن برائے اردو کو یہ ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ پرائمری اسکولوں سے حکومت سے منظوری کے بغیر غیر تربیت یافتہ اردو ٹیچر کو علیحدہ نہ کیا جائے جو ٹیچر اردو کی لیاقت کے امتحان میں فرسٹ ڈویژن حاصل کریں گے ان کو سو روپیہ دئے جائیں گے تھرڈ ڈویژن میں پاس ہونے والے ٹیچروں کو اہلیت کے سرٹیفکیٹ دئے جائیں گے۔

• سیاست جدید کانپور

اردو ٹیچروں کی بھرتی کے سلسلے میں گورنر اتر پردیش کی یقین دہانی

لکھنؤ: گورنر یوپی جناب اکبر علی خاں نے آج یہاں ریاستی انجمن ترقی اردو کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے اپنے مشیروں اور سینئر افسروں کو ہدایت جاری کردی ہے کہ اردو کے فروغ اور چار ہزار اردو ٹیچروں کی بھرتی کے سلسلے میں حکومت کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنائیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو اس کا جائز مقام دینے کے لئے اس کی راہ میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے حکومت موثر اقدامات کرے گی۔ انھوں نے محبان اردو کو مشورہ دیا کہ زبان کو سیاست سے دور رکھیں۔ کانفرنس کی صدارت جناب شیو ناتھ پرشاد نے کی۔

• دعوت - دہلی

اردو ٹیچروں کی تقرری کے سلسلے میں شکایتوں کے ازالہ کا وعدہ

لکھنؤ:- محکمہ تعلیم کے ڈپٹی ڈائرکٹر جناب کوہلی نے اردو اساتذہ کے تقرر اور انٹرویو کے سلسلے میں متعدد غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت کی ہدایات یہ ہیں کہ اگر دوسری تعلیمی لیاقتیں یکساں ہوں تو تقرر میں مسلمان امیدواروں کو غیر مسلموں پر ترجیح دی جائے۔

انھوں نے تقرر کے سلسلے میں تعلیمی معیار کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پہلے یہ اعلان کر چکی ہے کہ ترجیح بہرحال تربیت یافتہ امیدواروں کو دی جائے گی۔ چنانچہ پہلی ترجیح ایچ ٹی سی اور بی ٹی سی کے تربیت یافتہ امیدواروں کو۔ دوسری ترجیح ایل ٹی، بی ایڈ اور سی ٹی کے تربیت یافتہ امیدواروں کو اور اس کے بعد علی الترتیب ایم۔اے، بی۔اے، انٹر اور ہائی اسکول تک کے امیدواروں کو ترجیح دی جائے گی۔

انھوں نے دعویٰ کیا کہ اس سلسلے میں حکومت کی پالیسی اور ضوابط اتنے واضح ہیں کہ ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے اور نہ اس کے برخلاف کوئی کارروائی ممکن ہے۔

• دعوت۔ دہلی

دہلی میں سڑکوں کے نام اردو میں

نئی دہلی:۔ نئی دہلی میونسپل کمیٹی کی ہفتہ وار میٹنگ میں کل مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات جناب اندر کمار گجرال کے اس مشورہ کو قبول کر لیا گیا جس کے تحت نئی دہلی کے میونسپل علاقوں کی سڑکوں کے نام ہندی اور انگریزی کے ساتھ ساتھ اب اردو میں بھی لکھے جائیں گے۔ ● سیاست جدید کانپور

اردو درخواستیں قبول کرنے کے متعلق حکومت کی ہدایات

حکومت یوپی نے ڈویژن کے کمشنروں، محکموں کے سربراہوں دفتر کے اعلیٰ عہدیداروں اور ضلع کے سیشن ججوں کو ہدایات جاری کردی ہیں کہ سرکاری دفتروں اور قانونی عدالتوں میں فارسی رسم الخط میں لکھی ہوئی اردو درخواستوں کے وصول کرنے کے سلسلے میں وہ حکومت کے احکام کی سختی سے پابندی کریں۔

اس سرکولر میں حکومت نے اپنے ۳۰ اپریل کے حکم کی طرف سرکاری افسروں کی توجہ مبذول کرائی ہے جس کی رو سے اردو کی درخواستوں کو قبول نہ کرنا سرکاری احکام کی خلاف ورزی تصور کیا جائے گا۔ حکومت نے افسران کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ ہر تین مہینہ تو ایک بار ہر محکمے میں سہ ماہی رپورٹ حکومت کو پیش کیا کریں کہ اس دوران میں انھوں نے کتنی اردو درخواستیں وصول کی ہیں اور ان پر کیا کارروائی کی گئی ہے۔

حکومت نے معائنہ افسران کو بھی ہدایت جاری کی ہے کہ اپنے معائنہ کے دوران وہ خصوصیت سے یہ دیکھیں کہ ان احکامات کی فوری طور پر تعمیل ہو رہی ہے یا نہیں اور ایسی درخواستوں پر کیا کارروائی کی گئی ہے۔

حکومت نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ سے اردو گزٹ میں وہ تمام مواد شائع کیا جائے گا جو ہندی گزٹ میں شائع ہوتا ہے۔

● ہندوستان ٹائمز

فروغ اردو کمیٹی کی رپورٹ کے متعلق کچھ معلومات

نئی دہلی:۔ باخبر حلقوں کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ مرکزی حکومت کی مقرر کردہ کمیٹی نے یہ مطالبہ مسترد کر دیا ہے کہ اردو کو اترپردیش کی دوسری سرکاری زبان کی حیثیت دی جائے کمیٹی نے اپنا کام پورا کر لیا ہے اور اگلے مہینے وہ رپورٹ پیش کرنے والی ہے۔ رپورٹ کے بموجب اترپردیش میں اردو پڑھنے والے طالب علموں کے لئے اردو تعلیم کے مناسب انتظام ہونا چاہئے نیز ضلع حکام کو اردو کا علم ہونا چاہئے جس سے اردو زبان میں موصولہ اردو درخواستوں وغیرہ کا جواب اردو میں دیا جا سکے۔ ● سیاست جدید

صفحہ ۱۲ سے آگے

اس ڈھ میں لگا رہتا تھا کہ اردو میں بھی کوئی کتاب پڑھنے کے لئے مل جائے۔ بڑی تلاش کے بعد ایک کتاب ہاتھ لگی جس کا عنوان تھا "منہاج المعیشت"۔ یہ کتاب خاصی ضخیم اور مفصل تھی اور دارالترجمہ حیدرآباد نے شائع کی تھی۔ باوجودیکہ میں بچپن سے فارسی پڑھتا چلا آیا تھا لیکن کچھ ایسا یاد پڑتا ہے کہ اس کتاب کے ثقیل ہونے کی وجہ سے اسے پڑھ کر اتنی وحشت ہوئی کہ معاشیات کے مضمون ہی سے کچھ دن تک طبیعت اُچاٹ رہی۔ یہ بات کچھ ایسی ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ جامعہ عثمانیہ سے اردو میں مختلف علوم پر جو کتابیں تیار کرائی گئیں وہ بڑھتے تک گلدستۂ طاقِ نسیاں بنی رہیں اور اب تو ان کے عدم اور وجود کے بارے میں بھی محض قیاس آرائی کی جا سکتی ہے۔ یہی حال اس جناتی قسم کی ہندی کا بھی ہوگا، جو ریڈیو اسٹیشن کے نشریات میں استعمال کی جاتی ہے۔ چاہے کتابیں اردو میں ترجمہ کرائی جائیں یا ہندی میں دونوں میں یہ اصول کارفرما رہنا چاہئے کہ زبان بوجھل، غیر مانوس اور غیر ضروری طور پر بھاری بھرکم اصطلاحات کے وزن کے نیچے دبی ہوئی نہ ہو ورنہ اس کا فیضان محدود رہے گا بلکہ شاید اکثر صورتوں میں ایسا کرنا مضرت رساں بھی ہو۔ ہر زبان کے عمل ارتقا میں ایک منزل معیار کی یکسانیت حاصل کرنے یعنی (STANDARDIZATION) کی بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح اصطلاحات علمیہ کو موثر طور پر رواج دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر قاری کے ذہن میں ان کا ایک قطعی واضح اور متعین مفہوم ضرور ہو۔ ورنہ اگر ایک ہی اصطلاح کو مختلف مصنفین مختلف طریقوں سے استعمال کرنے لگیں تو اس سے یکسانیت (UNIFORMITY) حاصل نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کا نتیجہ ایک طرح کی لسانیاتی بحران (LINGUISTIC CHAOS) کی صورت میں نمایاں ہوگا۔ اور اس طرح "تالیف و ترجمہ" کا کام ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتا۔ افسوس ہے کہ مسلسل کئی برس گزر نے پر بھی ترقی اردو بورڈ کی کوششیں اس معاملے میں بھی نیک خواہشات سے آگے نہیں بڑھی ہیں اور اس پر عزم ہے اردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے بلکہ اردو یونیورسٹی قائم کرنے کا۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!

"ہماری زبان"

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔ منیجر

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

۲۲ر جون کی اشاعت میں بالصراحت یہ کہا گیا تھا کہ انگریزی سرمایے سے استفادے کے پیش نظر درسی کتابوں کی فراہمی کے سلسلے میں یہ امر چنداں مناسب نہیں ہے کہ ترجمہ کی گئی کتابوں پر بیش از بیش تکیہ کیا جائے۔ اور بلکہ یہ کہیں زیادہ مفید ہوگا کہ اردو میں براہ راست اور آزادانہ طور پر کتابیں تالیف کرائی جائیں۔ دونوں صورتوں میں بہرحال یہ ضروری ہے کہ مترجمین اور مولفین نفس مضمون پر قدرت رکھنے کے ساتھ ہی انگریزی اور اردو محاورے اور روزمرہ سے بھی کماحقہ واقف ہوں اور انھیں دونوں زبانوں میں اظہار خیال کا بھی خاصا تجربہ اور اس کی مشق اور ممارست ہو۔ اصطلاحات علمیہ کا مسئلہ اس سلسلے میں بہت اہم ہے۔ مولوی عبدالحق کی تیار کردہ انگریزی اردو لغت جو عرصہ ہوا انجمن ترقی اردو نے شائع کی تھی، اس قسم کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے بہت ناکافی ہے۔ الگ الگ علوم کی اصطلاحات کے مرادفات کی تلاش کے لئے یہ ہرگز کفالت نہیں کرسکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ سماجی طبعی، حیاتیاتی علوم اور ادب اور تنقید کے لئے علیحدہ علیحدہ لغات تیار کرائی جائیں۔ اور اصطلاحات کے وضع کرنے میں مختلف علوم کے ماہرین کا اشتراک حاصل کیا جائے۔ اور ان پر زیادہ سے زیادہ اتفاق رائے حاصل کیا جائے۔ اردو میں نئی علمی اصطلاحات سازی کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ کلاسیکل زبانوں کا سہارا لیا جائے اور یہ زبانیں عربی اور فارسی ہی ہوسکتی ہیں۔ عربی میں ایک مادے سے حسب ضرورت ان گنت الفاظ تراشنے کے جو قواعد موجود ہیں اس کی وجہ سے وہ بے پایاں وسعت کی حامل ہے۔ اور اس لئے اس میں غیر زبانوں سے الفاظ مستعار لینے کی ضرورت کم سے کم ہے۔ جدید فارسی میں اس کے برعکس انگریزی اور خصوصاً فرانسیسی زبان کے بے شمار الفاظ داخل ہوگئے ہیں۔ اصطلاحات وضع کرنے کے سلسلے میں ہمیں فارسی سے زیادہ عربی مشتقات سے خاصی مدد مل سکتی ہے۔ لیکن یہاں ایک خطرے سے بچنے کی کوشش بہرحال کرنی چاہئے۔ اصولی طور سے یہ امر ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ عربی الفاظ یا تراکیب بجنسہ نہ قبول کی جائیں۔ بلکہ لسانیاتی تبدیلی کے فارمولے کے ماتحت انھیں اپنی زبان کے رنگ و آہنگ کے مطابق بدل لیا جائے۔ یعنی یہ تبدیلیاں بنیادی ساخت کے اعتبار سے بھی کی جاسکتی ہیں اور صوتیاتی (PHONOLOGICAL) اعتبار سے بھی۔ تاکہ اصطلاحات کی روانی، سبک روی اور ظاہری شکل اردو زبان کے کینڈے کے مطابق ہو۔ اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر طبعی اور حیاتیاتی علوم کے میدان میں انگریزی میں مستعمل اصطلاحات کو جوں کا توں یا بہ ادنیٰ تغیر برقرار رکھا جائے۔ کلاسیکل زبانوں خاص طور پر عربی مشتقات سے مستفیض ہوئے بغیر شاید یہ ممکن نہ ہوسکے کہ ایک اصطلاح کے لئے ایک ہی لفظ وضع کیا جائے۔ البتہ ایسی انگریزی اصطلاحات کے لئے جو عام طور پر زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں، اور جن کا مفہوم بآسانی سمجھا جاسکتا ہے، عربی یا فارسی سے مستعار اصطلاحات کا رائج کرنا قطعی ضروری نہیں ہے۔ قرض لئے ہوئے الفاظ (LOAN WORDS) ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن صرف وہی الفاظ قبول عام کی سند حاصل کرسکتے ہیں جو زبان کے بنیادی سانچے اور اس کے مزاج میں کھپ سکیں۔ الفاظ بھی موت اور حیات کے قانون کے اسی طرح پابند ہوتے ہیں جیسے عضوی اجسام۔ جو الفاظ اپنے اندر قوت نمو نہیں رکھتے وہ پہلے متروک ہوتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ کلیتہً معدوم ہوجاتے ہیں۔

اکثر حلقوں میں یہ بات دہرائی گئی ہے کہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے اردو زبان کی ترویج اور اسے مختلف علوم میں ابلاغ اور اظہار بیان کا ذریعہ بنانے کے سلسلے میں بڑا اہم رول ادا کیا۔ میری رائے میں حقیقت اس کے برعکس ہے۔ جامعہ عثمانیہ میں جو تجربہ کیا گیا وہ بڑی حد تک لسانیاتی تنگ نظری پر مبنی اور غیر حقیقت پسندانہ تھا۔ اس میں اس اصول کو خاطر خواہ نہیں برتا گیا بلکہ شاید شعوری طور پر اس سے اجتناب کیا گیا کہ وضع اصطلاحات کے سلسلے میں کلاسیکل زبانوں سے فائدہ اٹھانے کے ساتھ ہی خود زبان کے مزاج، اس کے کینڈے اور اس کے چلن کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں ایک ذاتی تجربے کا ذکر شاید ناموزوں نہ ہو۔ میں جب ہائی اسکول میں پڑھتا تھا تو معاشیات میرا اختیاری مضمون تھا۔ نصابی کتاب تو انگریزی ہی میں تھی اور ذریعہ تعلیم بھی انگریزی ہی تھا لیکن مجھے چونکہ اردو سے بھی دلچسپی تھی اس لئے میں اکثر

(باقی صفحہ ۱۱ کالم ۲ پر)

مالک، انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا